OPEN ACCESS
Al Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219
ISSN (PRINT): 2707-1200

ARJISH, Vol: 5, Issue: 3,
July to September 2021
DOI: 10.53575/arjish.v5.3(21)u13.138-149
http://www.arjish.com

سرائیکی انشائیے کا موضوعاتی مطالعہ

Thematic Study of Seraiki Inshaiyah

Muhammad Ramzan*
Dr. Syed Safdar Hussain**

Abstract

This paper is primarily dealing with the Saraiki light essay and its concerened subjects. The paper explained that society has different mode of literature to express it through poetry or light essay during every era of life according to the regional circumstances. Saraiki region which is culturaly rich in literature. The have great cultural heritage, people here expressed and shared their views through different subjects of light essays. The Saraiki light essay is also considered an important source of socio-cultural and religious aspects i.e. life, recreation, nature, traditions, entertainment and other life concerned issues. Saraiki light essay is full of humer, sincerety and love of humanity which are the important topics of the Saraiki society in Saraiki light essay. This research paper is an attempt to explore all these topics of the Saraiki society which used in Saraiki light essay.

Keywords: Saraiki, Society, Literature, Light Esay, Social, Culture, Traditions,

موضوع کا تعارف

انگریزی ادب کے light essay کیلئے اردو اور سرائیکی میں لفظ انشائیہ مستعمل ہے۔اردو میں یہ لفظ انشاء سے نکلا ہے۔انشائیہ ایک خوبصورت نثری تحریر ہے جس میں مزہ سے بھرپور شگفتگی اور تازگی کے عنصر کے ساتھ ساتھ عام اور چھوٹے حالات و واقعات سے لے کر اہم اور خاص حوالوں پر بات چیت کی جاتی ہے۔اس میں معروف اور غیر معروف اشیاء کے رازوں سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔اس صنف میں مصنف سماج سے کوئی موضوع لے کر اپنی شخصیت کا عکس ظاہر کرتا ہے۔اُن خیالوں کا اظہار کرتا ہے جن خیالوں سے وہ اپنی زندگی میں متاثر ہوا ہو۔انشائیہ نگار کا بنیادی مقصد قاری کے ذوق کی تسکین ہوتا ہے،اسی لئے وہ اپنے انشائیوں میں خوابوں کی دنیا اور اَن دیکھے حسن کی تلاش، خیالات اور جذبات کا ایک جہاں پیش کرتا ہے۔یہ خیالات ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے جُڑے ہوتے ہیں۔ایک خیال سے دوسرا، دوسرے سے تیسرا اور ان میں ہم آہنگی بھی ہوتی ہے۔انشائیہ کی زبان ہلکی پھلکی چسولی، شگفتہ اور رواں ہوتی ہے۔انشائیے میں تخلیق کار کی خواہشات، خلوص، سچائی، صوتی آہنگی اور شوخی کا رنگ موجود ہوتا ہے۔

موضوع کا مطالعہ

انشائیہ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے انداز بیاں میں بے تکلفی، غیر رسمی طریقہ کار، اختصار اور جامعیت ہوتی ہے۔یہی چیزیں انشائیہ میں مزاح پیدا کرتی ہیں، ڈاکٹر شفیق احمد لکھتے ہیں :

* Ph. D Scholar, Department of Saraiki, IUB, Bahawalpur.
Email: mrchohan1978@gmail.com
** Associate Professor, Saraiki Department of Saraiki, IUB, Bahawalpur.
Email: ssafdariub@gmail.com

''انشائیہ نگار کوں خاص طور پر سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اسے اپنا مدعائے دل ظاہر کرنے کیلئے بے تکلف ہونا چاہیے''(1)

طنز و مزاح کی یہ صنف انشائیہ نا صرف پڑھنے والے کو محظوظ کرتی ہے بلکہ اس کی سوچ میں بھی نمایاں تبدیلی لاتی ہے۔انشائیہ کی اولین شرط بھی یہی ہے کہ وہ قاری کو صحت افزا ماحول دینے کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی نشو نما بھی کرے جیسا کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

''بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ہے کہ وہ ذاتی عناد اور تعصب سے پاک ہو۔ذہن و فکر کی بے لوث برہمی یا شگفتگی کا نتیجہ ہو۔''(2)

اسی طرح ڈاکٹر سلیم اختر انشائیہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''انشائیہ کے اسلوب میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے جو مزاح تو نہیں لیکن اعصاب میں گُدگدی ضرور ہو جاتی ہے۔''(3)

ڈاکٹر صاحب کچھ نقادوں کی تعریفوں کی بنا پر انشائیہ کی کچھ خوبیاں بھی بیان کرتے ہیں جیسے اختصار، غیر رسمی طریقہ کار، اسلوب کی شگفتگی، عدم تکمیل کا احساس، ذاتی اور شخصی نقطہ نظر اور عنوانات کے موضوع وغیرہ۔صنف انشائیہ کے بارے میں سرائیکی دانشور شوکت مغل لکھتے ہیں:

''طنز و مزاح لکھنا مجھے پسند ہے۔انشائیہ اس لئے میری پسندیدہ صنف ہے چونکہ انشائیہ طنز کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے میں انشائیہ لکھنے کی خواہش کے باوجود خالص انشائیہ نہیں لکھ سکا۔''(4)

انشائیہ کے بارے میں سید مختار علی شاہ، اپنے مضمون ''انشائیہ تے سرائیکی انشائیے دی روایت'' میں دلشاد کلانچوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''انشائیے کی ہیئت اور معنویت کے متعلق ابھی تک میرے دل و دماغ میں کوئی مکمل اور جامع تعریف نہیں آئی۔بس یہی سمجھ آتا ہے کہ انشائیہ بھی ایک ایسی سنوری ہوئی خوبصورت ٹوپی ہے جس کو ہر بچہ کھینچ کر اپنے سر پر فٹ کر لیتا ہے، خوش ہوتا ہے اور خوبصورت بھی لگتا ہے مگر یہ اور بات کہ ٹوپی کے ساتھ جو کچھ بھی کر لیں رہتی وہ ٹوپی ہی ہے۔اسی طرح انشائیہ بھی انشائیہ ہی رہتا ہے بھلے جیسے بھی لکھیں۔بس شرط یہی ہے کہ اس کے پڑھنے سے روح کو کشادگی اور اُڑانیں نصیب ہوں۔دل میں جذب و سرور والی لہریں چلیں اور دماغ میں رنگوں اور خوشبو کی کھڑکیاں کھل جائیں۔''(5)

انشائیہ میں زیادہ تر ہماری تہذیبی زندگی پوشیدہ ہوتی ہے۔اس میں بہت سی اُونچی نیچی باتوں کو بھی موضوع بنایا جاتا ہے۔بدصورت اور مکروہ پہلو کو منظر عام پر لانے کیلئے ایک خاص انداز استعمال کیا جاتا ہے۔جس سے کوتاہی کا احساس بھی ہو جائے اور غصہ بھی نہ آئے۔اولین سرائیکی انشائیہ نگار اسلم میتلا کا حوالہ دیتے ہوئے سید مختار علی شاہ سہ ماہی ''سرائیکی'' میں لکھتے ہیں'' :انشائیہ میں مزاح کا عنصر یقیناً ضروری ہے اگر مسکراہٹ اور وہ بھی زیر لب رہے تو معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔

اگر بات قہقہے تک پہنچ جائے تو انشائیے کی روح متاثر ہوتی ہے۔مسکراہٹ علمی گفتگو کے حوالے سے پیدا ہو تو اور زیادہ مزہ دیتی ہے۔ویسے انشائیہ ہلکی پھلکی تحریر کا نام ہے، جس کو عام قاری بھی پڑھے تو محظوظ ہو

یا کم از کم اکتاہٹ کا اظہار نہ کرے۔انشائیہ کا اختصار کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔"(6)

کسی بھی اچھے انشائیے میں الفاظ کا چناؤ، محاورے، کہاوتیں، روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے فقروں وغیرہ پر بحث اور خیال کے انوکھے پہلوؤں پر بات چیت، موضوع کا انتخاب، وسیبی رنگ، شخصی رنگ، مزاح، اختصار اور اسلوب کا جائزہ لیا جاتا ہے۔انشائیہ کے پس منظر کی بات کی جائے تو اس کی ابتداء فرانس سے ہوتی دکھائی دیتی ہے۔فرانسیسی ادیب "مونتین" نے ۱۵۸۱ء میں مضامین کی ابتداء کرتے ہوئے اس کو essai کا نام دیا جو بعد میں essay کہا جانے لگا، جس کی ابتداء بیکن نے کی اور اس صنف کا ایک بڑا نام ابراہام کاؤ بھی ہے۔اس حوالے سے ہٹل اور ایڈلن بھی کافی حد تک مقبول نام ہیں۔

اردو ادب میں مزاح نگاری کے ابتدائی رنگ ماسٹر رام چند اور مرزا غالب کی منثور تحریروں میں نمایاں ہیں۔ماسٹر رام چند انگریزی زبان کے استاد تھے اور وہ پہلے چند اردو ادیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جنہوں نے انگریزی ادب کو اردو سے روشناس کرایا جیسے کہ ان کے بارے میں سید جعفر کے حوالے سے سلیم اختر لکھتے ہیں :

"رام چند پہلے ادیب ہیں جنہوں نے انگریزی ادب سے اردو کو روشناس کرایا۔
اس سے متاثر ہو کر انگریزی کی طرز پر مضامین لکھنے کی کوشش کی۔"(7)

کچھ دانشور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نثری صنف انشائیہ یورپ سے نہیں بلکہ یہ خالصتاً برصغیر میں معرض وجود میں آئی ہے، جس کی ابتداء مُلا وجیہہ نے کی۔ان کے متعلق ڈاکٹر جاوید ڈشٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں :

"یہ کہنا غلط ہے کہ اردو انشائیہ انگریزی سے آیا ہے۔ہمارا انشائیہ کلیتاً ہمارا اپنا ہے۔وجیہہ اردو انشائیے کا باوا آدم ہے۔
جس وقت عالمی ادب میں انشائیے کی صنف نے جنم لیا۔کم و بیش اسی وقت ہمارا انشائیہ بھی عالم وجود میں آیا۔"(8)

اوائل میں مُلا وجیہہ کے ۱۶ ایسے مضامین ہیں جو کہ صنف انشائیہ کے بہت قریب ہیں۔بحر حال اردو انشائیہ نگاری کی ارتقائی روایت میں محمد حسین آزاد، عبدالحلیم شرر، حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ اور مُلا رموزی کی لکھتوں کو بھی انشائیہ نما کہا جا سکتا ہے۔ان کے علاوہ سجاد انصاری، خلیل دہلوی، شیخ عبدالقادر، مولوی ذکاء اللہ اور مہدی افادی کی تحریروں میں بھی انشائی رنگ کی جھلک واضح دکھائی دیتی ہے۔اب تک اردو ادب میں کئی نامور انشائیہ نگار پیدا ہوئے ہیں۔

سرائیکی ادب میں انشائیہ نگاری کی بات کی جائے تو یہ صنف اردو کے راستے سرائیکی ادب میں داخل ہوئی۔زمانی ترتیب سے دیکھا جائے تو اس کا آغاز ۱۹۶۰ء کی دہائی سے شروع ہوتا دکھائی دیتا ہے۔کئی سرائیکی قلم کاروں نے اس صنف پر مختلف سرائیکی ادبی رسائل میں طبع آزمائی کی، جن میں بریگیڈیئر نذیر علی شاہ کا پہلا انشائیہ نما مضمون سہ ماہی سرائیکی بہاولپور میں جنوری ۱۹۶۷ء کو شائع ہوا۔ڈاکٹر طاہر تونسوی کا انشائیہ "نویں سجھ دی بشارت" بھی سرائیکی انشائیے کی تعریف پر پورا اترتا ہے جسے روزنامہ امروز نے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کو شائع کیا۔حبیب فائق کا "اندھیاں اگوں روونا" بھی ابتدائی انشائیوں میں شامل ہے۔سرائیکی انشائیے کے حوالے سے پہلا باقاعدہ انشائیوں کا مجموعہ اسلم میتلا

کا ''سرائیکی انشائیے'' کے نام سے ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا، جس کے بعد بہت سے انشائیہ نگاروں نے اس صنف میں اپنا لوہا منوانے کی ہمہ تن کوشش کی۔ دلشاد کلانچوی کا مجموعہ ''بٹھ پیاا و سونا'' اگست ۱۹۸۷ء، اسلم میتلا کا ''وسیب رنگ'' ۱۹۹۱ء، راہی گبول کا ''مٹھڑے تیر'' (جزوی) مئی ۱۹۹۲ء، حاجی رانا سردار احمد سعید کا ''تِل وسیب'' جولائی ۱۹۹۲ء، ابوالبشر جیلانی کا مجموعہ ''کجھ دا مخول'' اکتوبر ۱۹۹۲ء، ڈاکٹر سلیم ملک کا ''جھلار'' فروری ۱۹۹۳ء، ڈاکٹر گل عباس اعوان کا ''سوجھلا'' اپریل ۲۰۰۹ء، منظور احمد اعوان کا ''گجھے دَھک'' مارچ ۱۹۹۳ء، حاجی رانا سردار احمد سعید کا دوسرا انشائی مجموعہ ''آسوں پاسوں'' ۱۹۹۴ء، اقبال حسن بھپلا کا ''بالو'' نومبر ۲۰۰۱ء، ابن الامام شفتر کا ''ڈُسکیاں تے ٹہکارے'' مئی ۲۰۰۹ء، عبدالباسط بھٹی کا ''اولنڑاں'' ۲۰۱۱ء، ڈاکٹر خالد اقبال کا ''مُسکار'' ۲۰۱۲ء، غلام فرید ڈھکی کا ''مرکنیاں'' ۲۰۱۳ء، مریم گھوٹیہ کا مجموعہ ''آکھ'' ۲۰۱۶ء اور ڈاکٹر نواز کاوش کا ''پارتاں'' ۲۰۱۷ء شامل ہیں۔

اگر انشائیہ نگاری کے مروجہ اصولوں کو مد نظر رکھ کر ان مجموعوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے اکثر مضامین کی جھلک دیتے ہیں۔ اسلم میتلا، ڈاکٹر سلیم ملک اور ڈاکٹر نواز کاوش نے اصول وضوابط پر گہری نگاہ رکھی ہے ان کے انشائیے معیار کے لحاظ سے بہت عمدہ تحریریں ہیں۔ ڈاکٹر سلیم ملک کو انشائیہ نگاری پر اکادمی ادبیات کی طرف سے ایوارڈ دیا گیا ہے۔ مٹھڑے تیر اور گجھے دھک (جزوی) ان مضامین پر مشتمل ہیں جو انشائیے کا خاص اسلوب رکھتے ہیں، باقی طنز ومزاح کے نثری افسانے اور مضامین ہیں۔ سید ابولبشر جیلانی کی تحریری زبان پر سندھی زبان کا گہرا اثر ہے لیکن تحریروں میں انتہائی چاشنی ہے۔ اقبال حسن بھپلا کا مجموعہ ''بالو'' تو ایسے لگتا ہے جیسے ایک نئی صنف کے طور پر شعوری کوشش ہو۔ انہوں نے انشائیوں میں اختصار سے اتنا کام لیا ہے کہ ان کی تحریر آدھے صفحے پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

سرائیکی انشائیے کے موضوعات کا جائزہ

سرائیکی معاشرتی مسائل:

سرائیکی وسیب کا جغرافیہ چار قسم کے علاقوں پر محیط ہے جن میں میدان، تھل، روہی اور دامان شامل ہیں۔ ہر علاقے کے لوگوں کی معاشرت میں ہلکا پھلکا فرق ہے جو نہ صرف معاشرت میں ہے بلکہ ان کے معاشی وسائل کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ ان علاقوں میں رہنے والوں لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ معاش ہے، جس کی وجہ معاشی وسائل کی کمی ہے۔ روہی کے مکینوں کا گزر بسر صرف مال مویشی پر ہوتا ہے اور پانی کی قلت کی وجہ سے یہ معاشی وسیلہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح میدانی علاقوں میں سب سے بڑا وسیلہ زراعت ہے، مگر اس علاقے میں حکومت کی طرف سے کوئی خاص سرپرستی نہ ہونیکی وجہ سے بیشتر کسان اپنی محنت کے عوض منافع نہیں کما پاتے۔ اسی طرح دامانی علاقے میں بھی کوئی خاص معاشی وسائل نہیں ہیں۔ زیادہ تر لوگ دیہاڑی دار ہیں۔ یہ تمام مسائل وسیب کے لوگوں کی کسمپرسی کی بڑی وجہ ہیں۔ اس علاقے کے افراد میں محنت کا جذبہ اور قابلیت موجود ہے مگر وسائل نہ ہونے کے سبب انہیں اپنی قابلیت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع میسر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ علاقے کی پسماندگی کی وجہ سے بے روزگاری بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے لوگ اکثر معاشی مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ وسیب میں پنجے گاڑے ہوئے ان مسائل کو سرائیکی انشائیہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں اجاگر کیا ہے، جیسے گل عباس اعوان اپنے انشائیے

''آزادی''میں لکھتے ہیں:

''افراد کوں آزادی توں محروم کیتا ویسی۔انہاں کوں وسائل دی کمی دا آکھ کے ٹُھکرایا ویسی تاں لوک اے سوچن تے مجبور تھی ویسن جو کیا حکومتی جبر دے تحفظ کیتے قربانی ڈِتی ونجے؟ کیا لوڈشیڈنگ، مہنگائی، لا قانونیت، عدم تحفظ، استحصالی سرمایہ دارانہ، جاگیر دارانہ اَتے آمرانہ نظام دے تحفظ دی خاطر قربانی ڈِتی ونجے؟ لہذٰا سوچو اگر افراد کوں انفرادی آزادی نہ ڈِتی گئی تاں مجموعی تے ملکی تحفظ کون کریسی؟۔''(9)

بے روزگاری تو ہمارے سماج کا مسئلہ ہے، سو ہے۔ یہاں حکومتی ناانصافی اور وڈیرہ ازم کے ساتھ ساتھ سماج کے اور بھی بہت سارے مسائل موجود ہیں۔ یہ مسائل نافقط انفرادی ہیں بلکہ اجتماعی طور پر بھی موجود ہیں جیسے کہ سماج میں ایک منفی رسم وٹہ سٹہ ہمارے سماج کا ایک ناسور ہے۔ جس میں کسی ایک انسان کی غلطی سے ناصرف دو خاندان تباہ ہوتے ہیں بلکہ اس کے اثرات باقی رشتہ داروں پر بھی پڑتے ہیں۔اس طرح کے منفی رویوں کے بارے میں ڈاکٹر سلیم ملک کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں:

''کروڑ دی منڈھی، اللہ ڈتہ گُڈیاں کھیڈ دی چھوکری نال شادی کرتے اُونکوں گھر گھن آیا۔ کنوار اُوندی دھیریں کنوں وی چھوٹی ہئی پر کیا کریجے معاملہ وٹے دا جو ہا، ایویں تاں بنناہا۔ اگے تے ٹوراں ٹُری جو اللہ ڈتے دی وڈی ذال پہاج دے ٹک ٹور بنے شروع کر ڈِتے تے دھیریں کوں آپنا ہم صلاح کر گھدا۔ ہک بے کوں مندے تے پلوتے ڈیون روز دی راند بن گئی۔''(10)

اس سماج میں غیر منصفانہ معاشی نظام نے بہت سے مسائل پیدا کیے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے اور غریب غریب تر۔اس سماج میں احساس نام کی کوئی چیز نہیں، ہر بندہ اپنے مفاد کی خاطر کسی کے جذبات سے بھی کھیلنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے جیسے کہ اسلم مبتلا کے انشائیہ ''کرایہ''میں ہے:

''مہینہ لگیا تے ولدی ڈینہوار دروازہ کھڑکیا، کرائے دار دروازہ کھولیا، تاں ڈٹھس جو کیا منحوس شکل سامنڑے ہئی تے او حضرت مالک مکان ہن تے فرمیندے پئے ہن جو اتھوں گزریاں تاں سوچم جو بھئی صاحب کوں مِلی ونجاں۔ اصل وچ انہاں کوں مونجھ مِلن دی نہ ہئی کرائے دی ادائیگی دے نال ہئی۔ کئی منصوبے ادھورے رہ ویندن جیندے وِچ بیگم صاحبہ دی ماہانہ شاپنگ وی شامل ہوندی ہے۔ نتیجہ اے نکلدے بیگم دا موڈ خراب تے سرد جنگ شروع۔ سفارتی تعلقات بالاں دی زبانی قائم، گال اتھائیں نی مُک ویندی، او کھ سوکھ کر کے بندہ کرایہ تاں ادا کر گھندے۔''(11)

رشوت ہمارے سماج کا ایک ناسور ہے جو علاج معالجے کے باوجود بھی ہمارے صحت مند معاشرے کو بے حد کمزور کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں بہت زیادہ مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ حقدار کو اس کا حق نہیں ملتا جس کی وجہ سے تعلیم یافتہ لوگوں کا معاشی استحصال ہو رہا

ہے۔میرٹ پر ہونے کے باوجود بھی اُسے نوکری نہیں ملتی، جس کے ذمہ دار انتظامی ادارے ہیں جو انصاف کیلئے ایمان داری سے اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔اہلکار اپنی جیبیں بھرنے اور اقرباءپروری کرتے نظر آتے ہیں جیسے ہماری پولیس رشوت لے کر انصاف کا گلا گھونٹتی نظر آتی ہے۔رشوت جیسے اس گھناؤنے فعل کو سید ابولبشر جیلانی اپنے انشایئے ''پُلس''میں بیان کرتے ہیں:

''پُلس تاں سئیں کھاون کیتے وات پٹی بیٹھی ہے،پُلس آلے ہِن سرکاری بدمعاش۔آپاں آلے سرائیکی
مار کہ چھٹری ٹوپڑی چاڈیکھن تاں پچھیں کمبڑی مچ ویسے۔ڈبے کنوں لہا بُجّاماری حوالات وِچ سٹیسن۔
کنڈوں رانے جو تھیوسے۔گریب دے گھر پُلس آلے اکھیں بگیاں کیتی لوڑھے لتاڑی ایویں پُٹھے ویسن
جیویں اَبے دا گھر ہووے۔''(12)

سرائیکی تہذیب وثقافت:

ہر سماج کی اپنی ایک مخصوص تہذیب وثقافت ہوتی ہے جس کے ارد گرد اس سماج کا پورا نظام چلتا ہے۔سرائیکی وسیب کی ثقافت باقی سماج سے قدرے مختلف ہے۔ سرائیکی وسیب کے لوگ ملنسار، عاجزی سے بھرپور اور مہمان نواز ہوتے ہیں اور یہی چیزیں ان کو باقی لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں۔وسیب کی اس خوبصورت مہمان نوازی کی روایت کی مثال سلیم ملک کے ایک انشایئے ''مہمان''میں ملتی ہے، جیسے:

''مہمان کوں سَت سلام کریندے ہِن۔سرِاکھیں تے بلہیندے ہِن۔صدقے گھولے تھیندے ہِن۔
تسلے بلے نا پچھدے ہِن جو کیویں آیوں۔ڈُوڈینہہ داریاں کریندے ہِن تے تریجھے ڈینہہ حال احوال
دی تنڈی وِچھیندے ہِن تے وَت اگوں مہمان بھلے مانس وَت آپنے حال دا منڈھ ترائے سال اُوں
دیہاڑے توں بدھیندا ہا جئیں ویلے ہک بے کنوں نکھڑے ہِن۔''(13)

اسی طرح سردار احمد سعید کے انشائی مجموعے ''تل وسیب''میں موجود ایک انشایئے ''مہمان''میں سرائیکی وسیب کے اس کلچر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''اللہ دا شکر کر جو تیڈا مہمان روزی آپنی کھاندے پَر کھاندا تیڈے دستر خوان توں ہے۔مہمان تے میزبان
ڈُوہیں لازم وملزوم ہِن تے ہک ڈُوجھے نال ایں جکڑیے ہوئے ہِن جو ہک توں بغیر ڈوجھا مہمل نظر
آندے۔بعض فراغ دل لوک مہمان کوں عزت دا سبب سمجھدن تے آہدن جو مہمان خدا دا ہک خاص
عطیہ تے بخشش ہوندی ہے۔''(14)

سرائیکی وسیب میں بچے کی پیدائش کے حوالے سے بہت سی رسمیں ریتیں موجود ہیں جو کہ ہماری ثقافت کی بھرپور نمایندگی کرتی ہیں۔یہ رسمیں بچے کی پیدائش سے شروع ہو جاتی ہیں اور جُوں جُوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے، یہ رسومات بھی بڑھتی جاتی ہیں۔سماج کے اس ثقافتی رنگ کو ڈاکٹر نواز کاوش اپنے انشائیہ ''رسماں ریتاں''میں بڑے احسن طریقے سے پیش کرتے ہیں، جیسے:

''ہک رسم تکی نی تے ڈُو جھی دی واری آئی نی۔ ایہ تے رسم ہے جھنڈ لہائی دی رسم۔ نائی اُوندے وال لہیندے تے ول پیر دگھیر تے بہہ ویندے۔ گھر دے ہر بندے کیتے ضروری ہے جو ایں موقع تے کھیسہ ہولا کرے، نی تاں بے عزتی کیتے تیار راہوے بھجن دا رستہ وی کینی ہوندا۔ نائی دے نخرے اَنج۔''(15)

اخلاقیات:

کسی بھی شخص کا سب سے بڑا مثبت پہلو اُس کا اخلاق ہوتا ہے اور اخلاق سے ہی اُس کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مہذب انسان ہمیشہ با اخلاق ہوتا ہے اور مہذب قومیں اپنے اخلاق سے ہی دنیا میں اپنا نمایاں مقام بناتی نظر آتی ہیں۔ اس کی جھلک سرائیکی وسیب میں بھی بہت نمایاں ہے۔ اس وسیب کے لوگ نہ صرف ملنسار، بااخلاق اور مہمان نواز ہیں بلکہ قناعت پسندی اور عاجزی اُن کی فطرت میں شامل ہے۔ ان میں یہ خصوصیات شعوری اور غیر شعوری طور پر نسل در نسل منتقل ہوتی آ رہی ہیں۔ بے شک یہ علاقہ معاشی اعتبار سے انتہائی پستی کا شکار ہے مگر پھر بھی اس علاقے کے باسیوں نے اپنی اخلاقی اقدار کو قائم رکھا ہوا ہے۔ ایک دوسرے سے محبت اور احترام کا جذبہ ان کے خُون میں شامل ہے۔ کیونکہ ادب سماج کا عکاس ہوتا ہے، اسی لئے سرائیکی انشائیے میں بھی سرائیکی وسیب کی جھلک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ سرائیکی ادب وسیب واسیوں کی خصوصیات کی بڑے خوبصورت انداز میں تصویر کشی کرتا نظر آتا ہے۔ جس کی مثال ہمیں مریم گھوٹیہ کے انشائیہ ''کھل'' میں ملتی ہے، جیسے:

''خوش اخلاقی تے خوش خوراکی دے بنیادی اوصاف وِچوں پہلیاں ڈُو چیزاں ایہ ہِن جو کھل تے کھاؤ اَتے کھل تے کھاؤ، یعنی ہر شے کھاؤ تے خندہ پیشانی نال کھاؤ۔ اُنویں تاں کھل تے مل بارے وی وڈیاں ہدائتاں ہِن جو مسلمان کیتے خوش خلقی بہوں ضروری ہے۔''(16)

حاجی رانا سردار احمد سعید اپنے انشائیوں میں اخلاقی پہلوؤں کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں، جیسے وہ اپنے مجموعہ ''آسوں پاسوں'' کے انشائیہ ''زمیندار دی موت'' میں لکھتے ہیں:

''ہِک ڈیہاڑے دی گالھ ہے جو میڈا ہِک پُرانا دوست آ مہمان تھیا۔ میں وڈا خوش ہم۔''(17)

اس کے علاوہ مہمان نوازی کا اخلاقی پہلو ہمیں اقبال حسن بھپلا کے انشائیہ ''ڈونگا'' میں بھی ملتا ہے:

''ڈُو چار ڈیہاڑے بعد اُوہے مہمان اپنے چندبۓ سنگتیاں کُوں نال لا تے آ گئے تے آکھن لگے، اساں تہاڈا ذکر کیتا ہا اَتے اوساڈے نال تہاکُوں ملن آئین۔ بھاگ وندوَل خوب خدمت کیتی۔''(18)

دیہی معاشرت:

سرائیکی وسیب کی دو طرح کی معاشرت ہے۔ ایک شہری معاشرت اور دوسری دیہی معاشرت۔ دیہات ہمارے سماج کا انتہائی خوبصورت حصّہ ہیں اور ان میں فطرت کے حقیقی رنگ جھلکتے ہیں۔ دیہی وسیب کے نا صرف مناظر میں دلکشی ہوتی ہے بلکہ یہاں کے باسیوں کے لہجے

میں بھی خاص قسم کی مِٹھاس ہوتی ہے۔ دیہات کا منظر نامہ فطرت کے قریب ہونے کی وجہ سے لوگوں کے رویے بھی فطری ہوتے ہیں اور شہر کی منافقتوں کا اثر دیہاتی لوگوں پر کم ہوتا ہے۔ الغرض دیہاتی زندگی شہری زندگی سے زیادہ خوشگوار اور صحت مند ہوتی ہے۔ جس طرح سرائیکی زبان میٹھی ہے اسی طرح سرائیکی دیہی حیاتی بھی مِٹھاس سے بھرپُور ہے۔

سرائیکی انشائیہ میں دیہی معاشرت کو بطور موضوع پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ تخلیق کار ہمیشہ فطرت کے رنگوں کو اپنی لکھتوں کے ذریعے اپنے فن پارے کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ ہمارا وسیب زیادہ تر دیہاتوں پر مشتمل ہے، اس لئے تخلیق کار اپنے فن پارے میں دیہی حُسن کی منظر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کی بہت سی مثالیں سرائیکی انشائیوں میں موجود ہیں، جیسے عبدالباسط بھٹی کے انشائیے ''ہمسائے'' میں ہے:

''وستیاں وِچ کھلا ماحول ہوندے۔ سوہنی فضا تے آزادی اُتر وِچ۔ انسان ہووِن تے بھانویں جانور، ساڈی وستی نوناریاں دے گڈوہاں کوں مکمل آزادی ہے۔ گڈھاں وی آزادی دا پورا مزہ چیندن۔ بِلا خوف و خطر گلیاں دی دُھڑ وِچ لیٹنیاں مریندن۔ بُت چھنڈک پِننگن کھڑویندن۔''(19)

سرائیکی وسیب میں ثقافت کی ایک جھلک ہمیں ''ونگار'' میں نظر آتی ہے، جس میں ہمیں اسلامی تعلیمات کا وہ حوالہ ملتا ہے جو ہمیں متحد رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ بھائی چارے کی خوبصورت مثال ہے۔ ونگار میں علاقے کے لوگ اکٹھے ہو کر کسی بھی ساتھی یا بڑے آدمی کا کام بغیر اُجرت کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس موقع پر کام کروانے والا اِن لوگوں کی خاطر تواضع بھی کرتا ہے۔ جس کو انشائیہ ''حلوہ'' میں اسلم میتلا نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

''دیہات دے وِچ عام طور تے کاشتکار حضرات ونگار نال کم کریندن، جیندا مطلب ایہ ہوندے جو نیڑے تیڑے والے کاشتکار حضرات ہِک مخصوص ڈینہہ ہِک کاشتکار دا کم کریندن تے ونگار گھِنن آلے تے لازم آندے جو اوونگار ڈیون والیاں دی بھرپور خدمت کرے تے پکوان وِچ علاوہ ڈُوجھے بعام دے سُوجی دا حلوہ وی ضرور کراوے۔''(20)

دیہی معاشرے کی منظر کشی کرنے میں ڈاکٹر سلیم ملک مہارت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے انشائی مجموعے ''جھلار'' کے مہاگ میں لکھتے ہیں:

''میں جایا پلیا وستی وِچ ہاں، جِتھاں ہوائیں ہاں نال لیندیاں ہِن۔ پیریں کُوں دریاں آلے بنے ہوندن۔ واہندے واٹر تُوں گھر تے لنگھدے ہاسے۔ ہَتھ وِچ ڈھپا ہووے تاں کھیندا ہوا جھلوڑے تے کھلے موندھے کریندے ہاسے۔ کونجیں کُوں سخی سرور دا پھیرا ڈیندے ہاسے۔ مینہہ مُدکُوں کُھمبیاں گولوں ہا، جھرے تے بُوٹیاں وِچ تیتر لبھوں ہا۔ ڈوپہریں کُوں کِکری تے گیرے کُوکدے ہِن۔ پیشیں کُوں منے تے چڑھ جھار ہکلیندے ہاسے۔''(21)

قصہ سرائیکی ثقافت کا حصّہ ہے اور دیہات میں اسے سننے سنانے کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ اب یہ ریت بھلے ختم ہو گئی ہے، پر اس کا ذوق ابھی بھی پایا جاتا ہے جہاں دورِ جدید کی سہولتیں آج بھی نہیں ہیں۔ وہاں یہ کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے۔ قصولی آج بھی اپنے اس فن سے لوگوں کو محظوظ کرتا نظر آتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کا حال احوال بھی پُوچھتے اور ایک دوسرے کے دُکھ درد بانٹتے نظر آتے ہیں۔ بیشک آج کے دور میں سہولیات نے انسان کیلئے جہاں آسانیاں پیدا کی ہیں، وہاں اس کے منفی اثرات بھی سماج پر مرتب ہوئے ہیں۔ سوشل میڈیا نے جہاں دنیا کو گلوبل ویلج بنادیا ہے، وہاں سماج کی مثبت اور صحت مند روایات کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور اس نے جہاں دنیا کے دُور دراز کے لوگوں کو قریب کر دیا ہے، وہاں ایک گھر کے افراد میں فاصلے بڑھادیے ہیں۔ ختم ہوتی ثقافت کو ڈاکٹر نواز کاوِش اپنے انشائیے ''قصہ قصولی'' کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

''قصہ قصولی، مر گیا پولی۔ پولی دی پان، جا گیا در کھان۔ در کھان دی ڈوئی، جاء گئی چڑھوئی۔''(22)

تعلیم کا حصول آج خاص وعام کی بڑی ترجیح ہے، پھر بھی دیہات کے لوگ اپنے بچوں کو سکول کی نسبت مدرسے میں بھیج کر زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ دین کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی وقت کی ضرورت ہے۔ دینی تعلیم اسلام سے روشناس کرواتی ہے تو دنیاوی تعلیم تہذیب و ثقافت کے گر بتاتی ہے۔ دیہاتوں میں بھی تعلیمی شعور اُجاگر ہوا ہے، پر پھر بھی دیہاتی والدین اپنے بچوں کی تعلیمی کارکردگی سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ بچوں کو سکول بھیج کر اپنا فرض ادا سمجھتے ہیں۔ دیہاتی بچے سکول جانے سے کتراتے ہیں۔ اگر بچہ سکول نہ آئے تو اُستاد صاحب دوسرے بچوں کو بھیج کر زبردستی بھی بُلواتے نظر آتے ہیں۔ دیہات کی تعلیم اور تعلیمی اداروں کی منظر کشی مریم گھوٹیہ اپنے انشائیے ''میڈا سکول'' میں کجھ اس طرح پیش کرتی ہیں:

''سکول او جاء ہوندی ہے جتھاں جاء کنُوں علاوہ ہر شے ہوندی ہے تے اُتھاں الف، ب سکھائی گھٹ تے رٹائی زیادہ ویندی ہے۔ بال چوتھی پنجویں آون تئیں لکھن پڑھن طرحاویں سکھ چُکا ہوندے۔ کہانی مضمون تاں خصوصی طور سکھایا سمجھایا ویندے۔ اجو کے سکول اچ تے پچھو کے سکول اچ ہن تاں اسمان زمین دا فرق آ گئے، پر آپاں گالھ پچھوکے سکول بارے کریندوں جو اجو کے سکول دیاں باہر لیاں کندھاں اِتی اُچیاں اُسر گین جو اندر پتہ نی لگدا اجو اندر پڑھائی تھیندی پئی اے یا بیا کجھ۔ ایں سانگوں جو ہن ہر سکول وِچ ایل، ای، ڈی وی لگ گئی اے۔ جڈاں جو آگے تاں سکول ای نہ لگدا ہا۔ اِتھاں پہلے ٹائم اُستاد تے پچھلے ٹائم ڈھانڈھے لانہہ تھیندے ہن۔''(23)

شہری معاشرت:

سرائیکی وسیب میں جس طرح دیہی معاشرت کی اہمیت ہے اسی طرح شہری معاشرت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شہر معاشی نظام کا مرکز ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہی دیہی نظام چلتا ہے۔ دیہات کی نسبت شہری معاشرت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ یہاں بنیادی سہولتیں تو

میسر ہیں مگر دیہات جیسی صاف سُتھری، صحت منداور منافقت سے پاک زندگی کا وجود نہیں ملتا۔ یہاں کے مکین مشین کی طرح ہر وقت کام میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کے پاس میل ملاپ کیلئے وقت ناپید ہوتا ہے۔ یہاں ہر بندہ اپنی آسائشات کو پورا کرنے کے چکر میں دوڑ لگائے ہوئے ہے۔ دیہات کی نسبت شہر میں ہر قسم کی سہولیات موجود ہوتی ہیں اور یہاں روزی کے وسائل بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ شہر میں عورت کا کام کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دفتروں، سکولوں اور ہسپتالوں میں کام کرتی ہیں۔ مہنگائی نے سفید پوش انسان کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ ضروریات زندگی کو پُورا کرنے کیلئے اُس کو اضافی محنت کرنا پڑتی ہے، پھر بھی وہ اگر پُوری نہ ہوں تو وہ دو نمبری سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ جس کا تذکرہ عبدالباسط بھٹی نے کچھ یوں کیا ہے:

''اج دادور آپ تڑاپی دادور ہے۔ ہر کہیں کوں آپنی پئی ودی ہے۔ بَکھے کوں ہوش کینی، رَج آلیں دے آپنے نخرے ہِن۔ علم دی لوڑنی رہ گئی ڈگری دی لوڑ ہے، جیویں ملے گِھن گھنو، ٹیوشن پڑھاؤ، پرچیں دے نمبر لواؤ، فی زمانہ ہر پاسے خرابی دا اندھار گھل پئے۔''(24)

شہر میں لوگوں کی ترجیہات میں ملازمت سب سے پہلی ترجیح ہے۔ جس کے لئے وہ اپنے باقی کاموں کو پسِ پُشت ڈال کر اس کی تگ ودو میں رہتا ہے۔ جس کی منظر کشی سلیم ملک کے انشائیہ ''ملازم'' میں اس طرح ملتی ہے:

''ملازم نور حضور دے ویلے اُٹھی کے تیاری پکڑیندے۔ نماز قرآن دے نیڑے نی لگدا جو بیگانی نوکری کوں چرک نا تھی ونجے۔ شیو دھیو، دھاں پو، کپڑے پا، ٹِچ بٹن تیئں تیار تھیندے تے گھر توں ایں بُھتریڑ نال نکلدے جیویں کوئی تمن دار ٹورے تے پیا ویندا ہووے تے پیادے سوار اُونکوں ڈُوجھے کوہ تے ونج رلسن۔''(25)

شہری زندگی بانسبت دیہی زندگی بناوٹ اور دِکھاوے کا شکار ہے۔ یہ احساس کمتری ہے یا برتری کہ شہری لوگ فیشن کے نام پر مادری زبان چھوڑ کر انگریزی زبان بولنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ جس کی نشاندہی ڈاکٹر سلیم ملک اپنے انشائیے ''فیشن'' میں کرتے ہیں:

''فیشن دے نویں نکور نمونے بول چال وِچ وی آندن۔ کوئی انگریزی وِچ گال کریندن تاں آپنا منہ وگاڑ ڈیندن۔ کوئی منہ سدِھار کھیندن تاں فارسی دا لہجہ وگاڑ ڈیندن۔ جیڑھے منہ تے لہجہ ڈوہیں سدھا رکھیندن او آپنی مابولی کوں وِگاڑ ڈیندن۔''(26)

سرائیکی وسیب دے معاشی مسائل دی نمائندگی:

کسی بھی سماج کا دارومدار اُس کی معیشت پر ہوتا ہے۔ جس سماج کی معیشت مضبوط ہو، وہ سماج خوشحال اور توانا ہوتا ہے اور جس سماج کی معیشت کمزور ہو، وہ ہر لحاظ سے مسائل کے گرداب میں نظر آتا ہے۔ رشوت، چوری، ڈکیتی، راہزنی، رسہ گیری، خُون خرابا، قتل وغارت، لڑائی جھگڑے اور وسائل پر قبضے کی وجہ سے غربت اور بے روزگاری بڑھتی نظر آتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک صحت منداور توانا معاشرے کیلئے معاشی

منصوبہ بندی کی سخت ضرورت ہے، جس سے بے روزگاری اور غربت کے جِن کو قابو کیا جا سکے۔ سرائیکی ادیبوں اور دانشوروں نے اپنی لکھتوں، چاہے وہ شاعری ہو یا نثر، میں ان مسائل کی طرف توجہ دلانے کیلئے ہمہ تن کوشش کی ہے۔ اس طرح کی کوشش ڈاکٹر گل عباس اعوان اپنے انشائیے ''غربت''میں کرتے نظر آتے ہیں:

''پر ضروری نئیں جو ہر حال وِچ غربت تے مجبوری کُوں شکست آوے۔ غربت انسان کُوں حوصلہ مندی عطا کریندی ہے۔ حالات دی بَھٹھی گوکہ بندے دے جسم کُوں ساڑ ڈیندی ہے، پَر ایہا بَھٹھی اُوندے ضمیر کُوں سوہنا بنا ڈیندی ہے۔''(27)

کم آمدنی والا انسان ہمیشہ زندگی کیلئے ترلا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا یا تو گلا گھونٹ دیتا ہے یا اُن کی تسکین کیلئے کوئی آسان ذریعہ ڈھونڈتا ہے۔ اُسے اس معاشی مسئلے کا ایک حل استعمال شُدہ سَستی چیزوں کی خریداری اور استعمال میں نظر آتا ہے۔ اس بارے اسلم قریشی اپنے انشائیے ''موئے دی پاڑ''میں لکھتے ہیں:

''میں اُٹھی تے اندر کمرے وِچ آیم، سوچیم جو ورتی ہوئی چیز دی عام طور تے لوک اَدھی قیمت ڈیندن، پر جیڑھلے میں مرزا کُوں آکھیا ہم جو میں اَدھی قیمت وی نئیں ڈے سگدا، تاں مرزا کُوں اعتراض نہ تھیا ہا۔''(28)

سرائیکی معاشرہ معاشی طور پر بہت پیچھے ہے، پھر بھی کچھ لوگ اگر اپنی محنت سے کچھ پُونجی جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اُس کو کہیں لگانے لگتے ہیں تو فضول اور ویلھے لوگ مفت کی صلاح دینے پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ اس طرح کی بات ڈاکٹر سلیم ملک اپنے انشائیے ''صلاحیں'' میں لکھتے ہیں کہ:

''مل مہانگ دے ایں زمانے وِچ ہِک شے مفت مِلدی ہے، اوہے صلاح۔ تُساں مکان بناونا ہووے یا کھوُہ کھٹاون ہووے، پہاڑ ڈے سر مار نا ہووے یا سَت بِسم اللہ آکھ تے وسدے ہمسائے تے دعویٰ توڑنا ہووے، بھنڑیجے دا عقیقہ کرنا ہووے یا بال دی شادی وِچ ہَتھ پانوڑاں ہووے۔ صلاحیں ڈیون آلے ہر موقعے تے کھکھر آلی کار ویڑھ ویندن۔''(29)

حاصل بحث

اس موضوع پر بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انشائیہ دراصل ایک معاشرے میں موجود لوگوں کی آواز اور آراء کی ترجمانی کرتے ہوئے معاشرتی، سائل کی توضیح کا ایک ذریعہ ہے۔ مذکور بالا موضوع انشائیہ معاشرتی مسائل کے مختلف عوامل کی نشادہی کرتے ہوئے اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انشائیہ کسی ایک موضوع پر بحث و تمحیث کا اظہار ہے۔ مقالہ میں انسانی معاشرت کے ساتھ لوگوں کے طرز زندگی اور موجود سماج کی تشکیل وار تقاء میں لوگوں کے رویوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح معاشرت کے ساتھ باہمی معاشی اصولوں، شہری و دیہی زندگی کے مسائل اور ان کے حل کے ساتھ شہری و دیہی زندگی کے فوائد و نقصانات کی بھی وضاحت ہے یہی وہ عوامل ہیں جس سے سماج

کی معیشت مضبوط ہو، وہ سماج خوشحال اور توانا ہوتا ہے اور جس سماج کی معیشت کمزور ہو، وہ ہر لحاظ سے مسائل کے گرداب میں نظر آتا ہے۔ رشوت، چوری، ڈکیتی، راہزنی، رسہ گیری، خُون خرابا، قتل و غارت، لڑائی جھگڑے اور وسائل پر قبضے کی وجہ سے غربت اور بے روزگاری بڑھتی نظر آتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک صحت منداور توانا معاشرے کیلئے معاشی منصوبہ بندی کی سخت ضرورت ہے، جس سے بے روزگاری اور غربت کے جِن کو قابو کیا جاسکے۔

References

1- Shafiq Ahmed, Doctor, Roshan Ara Rao (Editor), Intikhab Insha'Allah Number (First Time), Department of Confessions, Bahawalpur, Islamia University of Bahawalpur, P.80
2- Tahir Tonsoi, Doctor, Satire, Humor, History, Criticism, Election, Lahore, Milestone Publications, P.15
3- Saleem Akhtar, Doctor, Insha'i Foundation, Lahore, Milestone Publications, P.114
4- Shaukat Mughal, Bataan Baturian, Multan, Jhuk Publishers, P.08
5- Mukhtar Ali Shah, Tradition of Insha'iyyah and Seraiki Insha'iyyah, including Quarterly Seraiki Bahawalpur, Issue No. 2, Volume No. 2, April to June, P.24
6- Mukhtar Ali Shah, Tradition of Insha'iyyah and Seraiki Insha'iyyah, including Quarterly Seraiki Bahawalpur, Issue No. 2, Volume No. 2, April to June, P.25
7- Saleem Akhtar, Doctor, Insha'i Foundation, Lahore, Milestone Publications, p.77
8- Saleem Akhtar, Doctor, Insha'i Foundation, Lahore, Milestone Publications, p.33
9- Gul Abbas Awan, Doctor, Sojhla, Multan, Jhuk Publishers, p.56
10- Saleem Malik, Doctor, Jhalar, Bahawalpur, Seraiki Literary Council, P.47
11- Aslam Mitla, Waseeb Rang, Khanewal, Mitla Publications, P.110
12- Abul Bashar Jilani, Syed, Bukh Da Makhol, Sadiqabad, Mubarak Urdu Library, P.30
13-Saleem Malik, Doctor, Jhalar, Bahawalpur, Seraiki Literary Council, P.84
14- Ahmed Saeed Rana, Sardar, Til Waseeb, Multan, Reza Mulla Printing Press, P.20
15- Nawaz Kaush, Doctor, Partaan, Bahawalpur, Cholistan Academic Literary Forum, P.34
16- Maryam Ghotia, Eye, Bahawalpur, Institute of Language and Literature Research, Bahawalpur, P.68
17- Sardar Hamad Saeed, Rana, Asun Pasoon, Darabpur (Jalalpur Pirwala), p.12
18- Bhapla, Malik Iqbal Hassan, Baloo, Jhuk Publishers, Multan, p.22
19- Abdul Basit Bhatti, Olandaran, Multan, Multan Institute of Policy and Research, P.62
20- Aslam Mitla, Seraiki Insha'i, Seraiki Publications, Muzaffargarh, p.18
21- Saleem Malik, Jhalar, Seraiki Literary Council, Bahawalpur, p.1
22-Nawaz Kaush, Partaan, Bahawalpur, Cholistan Literary Forum, p.57
23- Maryam Ghotia, Eye, Bahawalpur, Institute of Language and Literature Research, p.94
24- Dahir, Altaf Khan (Editor), Abdul Basit Bhatti Writings and Narwar, Multan, Jhook Publishers, p.366
25- Saleem Malik, Doctor, Jhalar, Bahawalpur, Seraiki Literary Council, p.68
26- Saleem Malik, Doctor, Jhalar, Bahawalpur, Seraiki Literary Council, p.75
27- Dr. Gul Abbas Awan, Sojhla, Multan, Jhuk Publishers, p.29
28- Aslam Qureshi, Katkaliyan, Bahawalpur, Seraiki Literary Council, p.85
29-Saleem Malik, Jhalar, Bahawalpur, Seraiki Literary Council,p.9